ISLAMIC FIQH ACADEMY INDIA
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بارھواں فقہی سمینار

منعقدہ: ۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء، دار العلوم الاسلامیہ، بستی، یوپی

☆ اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت

☆ طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق)

☆ انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال

سوالنامہ

اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت

شریعت کے مآخذ ومصادر بنیادی طور پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس ہیں، مختلف فیہ مصادر: استحسان، استصلاح، قول صحابی، شرائع من قبلنا، اقل ما قیل، سد ذرائع، عرف وغیرہ ہیں، بہرحال یہ مصادر متفق علیہ ہوں یا مختلف فیہ، یہ بھی طے ہے کہ سب کا مرجع کتاب وسنت ہے، قرآن کے ارشاد کے مطابق کتاب اللہ میں آیات محکمات بھی ہیں، اور آیات متشابہات بھی، اور ظاہر ہے کہ علماء علم، سمجھ اور اپنے مطالعہ کے نتیجہ میں آیات قرآنی کی تعبیر وتشریح میں مختلف الرائے ہوا کئے ہیں، کبھی الفاظ کے لغوی اشتراک، کبھی عرفی استعمال، کبھی مقتضائے لغت اور مقتضائے عرف کے درمیان تعارض، کبھی آیات کے شان نزول کے پس منظر میں آیات کے مفہوم کو سمجھنے اور روایات میں مختلف شان نزول بیان کئے جانے، کسی حکم کے مقدم یا مؤخر ہونے، حکم کے عموم اور اس کی تخصیص، حکم کا اطلاق اور اس کی تقیید، یہ اور اس طرح کے مختلف اسباب ہیں جن کی وجہ سے خود صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا اور صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین کی آراء مختلف ہوتی رہی ہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ احکام جو نصوص قطعیہ سے معلوم ہوتے ہیں، اور جن احکام پر نصوص کی دلالت واضح، صریح، قطعی اور غیر محتمل التاویل ہے ان میں اختلاف کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اگر نص اپنے ثبوت کے اعتبار سے ظنی ہو، یا حکم پر اس کی دلالت ظنی ہو کہ اس میں احتمال غیر کا بھی موجود ہو، وہاں ان محتمل معانی اور مفہوم میں سے کسی ایک کی تعیین میں اپنے اپنے مناہج استنباط اور فہم وفکر کے اعتبار سے ائمہ کے درمیان اختلاف رائے ہوا، خصوصیت کے ساتھ احادیث کے بارے میں دو حیثیت سے اختلاف پیدا ہوا، ایک تو باعتبار سند جس کے ذریعہ وہ بات آنحضور ﷺ تک پہنچی ہے، یہ دیکھنا کہ سند کس درجہ کی ہے، اس کے رجال ثقات ہیں یا نہیں، ان کا حافظہ قوی ہے یا نہیں، ان کے کلام میں خلط تو نہیں وغیرہ اسباب عدالت وجرح؟ اور اس اعتبار سے حدیث کا کیا درجہ متعین ہوتا ہے؟ صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، ضعیف مؤید بالشواہد ہے، یا ضعف اس درجہ کا ہے جس کا انجبار نہیں ہوسکتا، حدیث مشہور ہے یا غریب ہے، متواتر ہے یا خبر واحد ہے، تواتر اور شہرت لفظی ہے یا معنوی ہے؟ پھر خود رجال کی ثقاہت، ان کی عدالت اور ان کی قوت وضعف کے بارے میں دو رائے کا ہونا کچھ بعید نہیں۔ دوسرا رخ احادیث سے مفہوم کے استنباط کا ہے۔ اور پھر تیسرا رخ ان احادیث کے باہم متعارض ہونے کی صورت میں اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا، ناسخ منسوخ کا تعین کرنا یا پھر تاویل کر کے کسی ایک حدیث کو اس کے معنی ظاہر سے معنی محتمل کی طرف لے جانا۔ پھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کیا صحابہ اس کے ترک پر متفق ہیں؟ پھر اگر صحابہ وتابعین کے درمیان آراء مختلف ہوں تو اس میں یہ دیکھنا کہ اکابر فقہاء صحابہ اور تابعین میں سے حفاظ حدیث کدھر گئے ہیں، ان کی رائے کو ترجیح دینا وغیرہ۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وقت، زمانہ، اور علاقہ کے حالات اور ان کے عرف کی بھی چھاپ احکام پر پڑتی ہے، ایسے احکام کو فقہاء واصولیین ''الأحکام المرتبة علی العوائد المتجددة والأحوال المتغیرة'' کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی طرح اختلاف ائمہ پر اثر قواعد اصولیہ اور ضوابط فقہیہ میں اختلاف رائے کا بھی ہے، مثلاً عام اور خاص، مشترک، ظاہر وخفی،

ابہام، اجمال، امرونہی، وغیرہ لغوی مسائل واحکام۔ دوسری طرف حدیث متصل، حدیث مرسل، حدیث منقطع، شاذ اور غریب۔ پھر مرسل میں مراسیل ثقہ وغیرہ۔ اجماع، اجماع سکوتی، اجماع عدم القول بالفصل، اجماع لاحق بمقابلہ اجماع سابق۔ پھر قیاس کی بحث میں علت اور علت کی اقسام، علت تامہ، علت قاصرہ، اصل، فرع، علت جامعہ اور حکم اصل کا تعدیہ، علت کے تعین میں اختلاف (جیسے حدیث ربا میں)۔ اسی طرح استحسان میں قیاس خفی قوی اور قیاس جلی ضعیف یا پھر مصالح مرسلہ کو مصالح معتبرہ کے ساتھ ملحق کرکے ان کا اعتبار، یا پھر مقاصد اور مصالح شریعت کا تعین اور ان کی رعایت۔

اس طرح ایک عظیم الشان نظام قانون، اصول قانون، اور فلسفہ قانون، استنباط اور تفریع کے مفصل طریقوں پر مشتمل عظیم الشان ذخیرہ ہمارے سلف نے اکٹھا کردیا جس کی کوئی مثال دنیائے علم وقانون میں نہیں پیش کی جاسکتی۔

تفسیر قرآن، احکام القرآن، حدیث، احادیث احکام، اصول تفسیر، اصول حدیث، علم رجال، غریب القرآن، غریب الحدیث، علم فقہ، اصول فقہ، آداب قضاء، علم قواعد کلیہ، علم ضوابط فقہیہ، علم اشباہ ونظائر، اجناس وفروق، علم حدیث میں جوامع، سنن، مسانید وغیرہ نہ جانے کتنے علوم وفنون اور ان کی شاخیں وجود میں آئیں جن پر ہرعہد میں علماء محققین نے ہزار ہا ہزار کتابیں لکھ ڈالیں جو الحمدللہ آج بھی بڑی حد تک محفوظ ہیں، اور کچھ کتابیں جو زمانہ کی گرد تلے دبی مختلف کتب خانوں میں پڑی ہیں، آہستہ آہستہ وہ بھی تحقیق اور خدمت کے بعد منظر عام پر آتی جارہی ہیں۔

سوالات:

(۱) اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ کے ان اختلافات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ احکام کا وہ مجموعہ جو ائمہ مجتہدین نے بنیادی طور پر کتاب وسنت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے مناہج استنباط کی روشنی میں مستنبط کئے اور مرتب فقہی ذخیرہ امت کے سامنے پیش کیا، آیا یہ شریعت محمدی ہے؟ یا ان حضرات کی محض ذاتی رائے، ایسی کہ جس کی اتباع کو اتباع ہویٰ کہا جائے؟ واضح رہے کہ آج متجددین پورے فقہی ذخیرہ اور سلف کی ان اجتہادی کوششوں کو محض افراد کی ذاتی رائے قرار دے کر اس کے شریعت ہونے سے انکار کررہے ہیں، اور اس طرح احکام شریعت کی اتباع کا بوجھ اپنے سر سے پھینک دینا چاہتے ہیں اور اپنی خواہش نفس اور ہویٰ کو اپنا امام بنا کر دین کے باب میں من مانی کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) اگر یہ عین شریعت ہے جس کی دو قسمیں ہیں، احکام منصوصہ اور احکام مستنبطہ من النص، تو ان اجتہادات اور استنباطات مجتہدین کے مابین جو اختلاف رائے ہے ان مختلف فیہ مسائل میں کیا ان مختلف آراء کے درمیان اختلاف، اختلاف حق وباطل ہے یا اختلاف حق وباطل نہیں، کیا آپ اسے اختلاف عزیمت ورخصت کہیں گے، یا ایک رائے کو صواب محتمل خطا اور دوسری رائے کو خطا محتمل صواب؟

(۳) اسی ذیل میں تیسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ خود ان علمائے مجتہدین کے حق میں ان کی اپنی اجتہادی رائے اس طرح کے مجتہد فیہ مسائل میں تو حجت ہوگی، لیکن وہ عامی جو کتاب وسنت کو نہیں جانتا اور نہ اس میں نصوص کے تتبع، ان کو سمجھنے اور ان سے حکم شرعی مستنبط کرنے کی صلاحیت ہے، اس کے لئے کیا راہ عمل ہوگی؟ کیا وہ کسی مجتہد کے قول پر عمل کرکے شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا؟

(۴) اسی ذیل میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسباب اختلاف فقہاء کی تفصیلی وضاحت کی جائے؟

(۵) ان ساری بحثوں کی روشنی میں ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی

مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر اور مذمت کا نشانہ بنانا کیا شرعاً جائز ہے؟ اور یہ عمل جس میں ایک جماعت دوسری جماعت کو اور ایک فرد دوسرے فرد کو گمراہ قرار دے، اور افراد امت کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرے، کیا اس کو کسی طرح بھی شرعاً محمود قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۶) اسی سلسلہ میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سلف کی روش ان اختلافی مسائل میں کیا رہی ہے، اور انہوں نے اختلاف رائے کے اظہار اور آپسی مباحثہ کے دوران کن آداب کی رعایت کی ہے اور آج امت کو ان مسائل میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

اسی ذیل میں دو سوالات اور بہت اہم ہیں:

(۷) کیا ان صورتوں میں جب کہ وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورتحال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج، ضیق، تنگی، اور عسر کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دفع ہو جائے تنگی کے بجائے وسعت پیدا ہو، معاشرہ ضرر سے محفوظ رہے، اور عسر کی جگہ یسر پیدا ہو تو کیا ایسی صورت حال میں علماء و فقہاء جو صاحب ورع و تقویٰ بھی ہوں اور جنہیں اللہ نے فہم صحیح کی دولت عنایت فرمائی ہو ان کے لئے دوسری رائے پر فتوی دینا جائز ہوگا، جو باعث دفع حرج و رفع ضرر ثابت ہو؟

(۸) ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خود موجودہ دور کے فقہاء، علماء اور اصحاب افتاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف رائے ہو کہ معاشرہ کس درجہ کے حرج میں مبتلا ہے، مشکلات، واقعتاً اس درجہ کی ہیں جن میں عدول کی ضرورت ہے، حرج اور ضرورت اور ضرر کیا اس درجہ کے ہیں کہ ان کا دور کرنا واجب ہو؟ پس باوجود یکہ علماء اس پر متفق ہوں گے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے لیکن حرج، ضرر، ضرورت و حاجت اور تنگی و مشکلات کی نوعیت اور ان کے درجہ کے تعین میں اختلاف رائے کی وجہ سے کسی ایک فقہی رائے کو اختیار کرنے میں اختلاف ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں جب کہ مستند اور معتمد علماء و فقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھتی ہو اور اس مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج اور ضرورت کے لئے اختیار کرتی ہو اور اس پر فتوی دے، دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے، تو اس صورت میں عام لوگوں کے لئے کیا اس فتوی پر عمل کرنا جائز ہوگا جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہو؟ اور کیا اصحاب افتاء کو ان دونوں رایوں میں سے کسی ایک رائے پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے؟

☆☆☆

سوالنامہ:

طلاق سکران

تمہید:

اس وقت مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کی فہرست میں ایک مسئلہ جو بہت نازک اور موجبِ فکر وتشویش ہے وہ ہے مسلم سماج میں طلاق کا بکثرت اور بے جا استعمال، جس کی وجہ سے اچھے خاصے بسے بسائے گھر برباد ہورہے ہیں، اور یہ بھی سچائی ہے کہ مطلقہ خواتین یا تو اپنے بچوں کی وجہ سے نکاح ثانی نہیں کرپاتیں یا اگر وہ نکاح ثانی کرنا چاہیں بھی تو مناسب جوڑا نہیں مل پاتا کہ آج کنواری بچیوں کی شادی بھی بہت مشکل ہوگئی ہے۔

طلاق کی مشروعیت شریعت کی بہت بڑی حکمت ہے اور رحمت بھی کہ جبراً کسی جوڑے کو باہمی ازدواجی رشتہ پر قائم رکھنے پر مجبور کرنا غیر فطری اور مختلف مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اسی حق طلاق کا بے جا استعمال، خاص کر ان حالات میں جب کہ انسان شعور وآگہی اور فہم وفکر اور اونچ نیچ کی سمجھ سے محروم ہو، محض وقتی ابال میں طلاق دے ڈالے، معاشرہ کو ایک بڑے عذاب میں مبتلا کردیتا ہے، ان حالات میں علماء، فقہاء اور اصحاب افتاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرتی حالات اور مشروعیت طلاق کی حکمتوں کا گہرا مطالعہ کریں، پھر مدارج احکام پر نظر رکھتے ہوئے منصوص وغیر منصوص، مجتہد فیہ اور غیر مجتہد فیہ احکام کا جائزہ لیتے ہوئے قوانین شرع کی وہ عادلانہ تعبیر کریں جو مقاصد شرع سے ہم آہنگ اور معاشرہ کو مشکلات اور فتنوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہالت اور بے دینی کی وجہ سے ہندوستان میں طلاق کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں، طلاق کی ایک قابل لحاظ تعداد کا سبب نشہ ہے، بلکہ مختلف دارالافتاء میں طلاق سے متعلق استفتاء کا جائزہ لینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کم از کم پچاس فی صد طلاق کے واقعات نشہ کی وجہ سے پیش آتے ہیں، طلاق جو سوچ سمجھ کر اور بُرے بھلے کے شعور کے ساتھ ناگزیر حالات میں استعمال کے لئے دیا جانے والا حق ہے، اسے نشہ میں مبتلا شخص بے سوچے سمجھے استعمال کرتا ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہ ہو، چاہے یہ نشہ کسی حرام شئ کے استعمال سے پیدا ہوا ہو یا مباح شئ کے استعمال سے، کیوں کہ نشہ کی حالت میں انسان عقل کھودیتا ہے، لیکن فقہاء احناف ایسے شخص کو تقدیراً عاقل مانتے ہیں، یعنی حقیقتاً تو وہ عاقل نہیں ہے، لیکن اگر اس نے نشہ کا استعمال کیا تو ایسی صورت میں اس کی دی ہوئی طلاق از راہ زجر نافذ کی جاتی ہے، سوائے اس کے کہ اس نے کسی مباح چیز کا استعمال کیا ہو اور اسے نشہ آگیا ہو، یا ایسی حالت میں نشہ آور شئ استعمال کی جب اس کے لئے اس کا استعمال مباح تھا اور نشہ میں اس نے طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اہل علم کے لئے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ اس مسئلہ میں عہد صحابہؓ ہی سے اختلاف رہا ہے، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت معاویہؓ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک طلاق سکران نافذ ہوگی، یہی ایک قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے، جب کہ حضرت عثمان غنیؓ، لیث بن سعدؒ، اسحاق بن راہویہؒ وغیرہم کے علاوہ فقہاء حنفیہ میں امام زفرؒ، امام طحاویؒ، امام کرخیؒ اور محمد بن مسلمہؒ وغیرہ

طلاق سکران کو نافذ نہیں مانتے، اور امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا بھی ایک قول اسی طرح کا ہے، جس کو بعض اصحاب مذہب نے ترجیح دیا ہے۔

غرض یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں عہد صحابہؓ سے اختلاف رائے چلا آ رہا ہے، اور تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان بھی اس میں اختلاف ہے، دونوں نقطہائے نظر کے لئے نقلی وعقلی دلیلیں موجود ہیں، تاہم جن فقہاء نے طلاق سکران کو نافذ قرار دیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ان کے پیش نظر شوہر کی تعزیر ہے، مگر ہندوستان کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ عورت کے لئے نکاح ثانی کی دشواری اور عدالتی کارروائیوں کی سرگرانی اور طول عمل کے باعث طلاق کے نتیجہ میں جو مصیبتیں آتی ہیں ان سے شوہر کم اور بیوی اور معصوم بچے زیادہ دوچار ہوتے ہیں، اور شاید ہی ایسی کوئی مثال مل سکے کہ محض وقوع طلاق کی وجہ سے نشہ کرنے والوں کو عبرت ہوئی ہو اور وہ نشہ کے استعمال سے رک گئے ہوں۔

اس ذیل میں آنے والے سیمینار میں طلاق سکران پر گفتگو اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرتے ہوئے کسی فیصلہ تک پہونچنے کی دعوت دی جارہی ہے۔

سوالات:

۱۔ کیا معاشرہ کی حالت اور احکام شرعی کے بارے میں اوپر لکھی ہوئی تفصیلات سے آپ متفق ہیں؟

۲۔ مقاصد شرع کی رعایت اور مدارج احکام پر نظر رکھتے ہوئے کیا اس کی گنجائش ہے کہ آج کے حالات میں اس طلاق کو غیر نافذ قرار دیں جو نشہ کی حالت میں دی جاتی ہے جب کہ شوہر ہوش وخرد سے محروم ہوتا ہے، اور کیا اس سلسلہ میں سیدنا عثمان غنیؓ، لیث بن سعدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، امام شافعیؒ (ایک قول)، امام احمد بن حنبل (قول معتمد فی المذہب)، فقہاء حنفیہ میں امام زفرؒ، امام ابوجعفر طحاوی، امام کرخیؒ، اور محمد بن مسلمہؒ کی اس رائے کو معمول بہ بنایا جائے کہ طلاق سکران نافذ نہیں ہوتی، اور کیا جائز ہوگا کہ ہم آج اسی قول پر فتویٰ دیں؟

☆☆☆

سوالنامہ:

انٹرنیٹ اور جدید آلات کا دینی مقاصد کے لئے استعمال

آج مشینری اور سائنس کے انتہائی ترقی یافتہ انقلابی دور نے سارے عالم کی مسافتیں سمیٹ دی ہیں بلکہ نہ کے برابر کردی ہیں کہ آدمی کے تصور سے بھی کہیں کم وقت میں عالم کے ایک کنارے کی خبر دوسرے کنارے تک اور ایک بات دور دراز تک پہونچ جاتی ہے، اس کے لئے جو وسائل ایجاد ہوئے ہیں اور ہوتے جارہے ہیں، آدمی ان سے اپنی ضروریات میں تو کام لیتا ہی ہے اس سے بڑھ کر آج یہ وسائل وآلات اشخاص وجماعتوں وتحریکات کے نظریات وافکار کے فروغ واشاعت کا بہترین ذریعہ بن چکے ہیں، ان نظریات وافکار کو پھیلانے کے لئے پہلے بھی بہت سے ذرائع اپنائے جاتے تھے مگر آج جو سہولتیں ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے ان وسائل کا استعمال صحیح کم اور غلط زیادہ ہورہا ہے، بلکہ شاید یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ غلط کے مقابلے میں صحیح کے لئے بعض ذرائع کا استعمال صفر کے درجہ میں ہے۔

ریڈیو وٹیپ کے دور دورے کے بعد آج ٹی وی کا دور وعہد ہے، ریڈیو وٹی وی کا استعمال خبروں اور تماشوں کو ادھر سے ادھر پہونچانے کے علاوہ مختلف مذاہب کی ترویج واشاعت کے لئے بھی ہورہا ہے، اس قسم کا جو نظام حکومتی سطح کا ہے مختلف ممالک کے حالات کے مطابق اس میں بھی مذہبی پروگرام کا حصہ رہتا ہے، اس کے علاوہ ریڈیو وٹی وی اسٹیشنوں کو کرایہ پر لے کر بھی یہ کام ہورہا ہے، بلکہ اب تو ذاتی اسٹیشن ونظم کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا ہے۔

ٹی وی کے بعد انٹرنیٹ نے خبروں اور فکروں کے پھیلانے کے کام کو مزید عام اور سہل بھی بنادیا ہے اس لئے کہ اس سے کام لینے میں ریڈیو وٹی وی کے جیسا طول عمل اور طویل نظم ونظام کی ضرورت نہیں ہوتی، جس طرح ایک شخص اپنے گھروں میں بیٹھ کر ریڈیو سنتا ہے، ٹی وی سے مستفید ہوتا ہے، اسی طرح انٹرنیٹ سے ایک شخص اپنے گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر انٹرنیٹ کے نظم میں کسی بھی فکر وخبر کو داخل کرکے پورے عالم میں پھیلا سکتا ہے۔

باطل کا مزاج یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو ہمیشہ جلدی اپناتا ہے تاکہ جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ فروغ پائے، ظاہر ہے کہ کتنی بھی روک تھام کی جائے اور بتایا وسمجھا جائے لیکن عامۃ الناس ایسی چیزوں میں مبتلا ہو ہی جاتے ہیں اور ان پر ان چیزوں کا گہرا اثر پڑتا ہے اور نقصان ہوتا ہے، اور بسا اوقات اس کا مناسب ومفید تدارک اس وقت ہوسکتا ہے جب اسی انداز کی کسی چیز کو ذریعہ ووسیلہ بنایا جائے۔

انہیں سب باتوں کا احساس کرکے ریڈیو کے عام ہونے پر اکابر علماء نے اس میں قباحت محسوس نہیں کی کہ ریڈیو کے ذریعہ قرآن کریم کی تلاوت اور دینی تقریروں اور علمی باتوں کی اشاعت کی جائے، بلکہ اس میں انہوں نے خود عملی طور پر حصہ لیا، جیسا کہ بالخصوص پاکستان کے متعلق ہم کو معلوم ہے، البتہ ماضی میں یہ مسئلہ سرکاری ریڈیو کے ذریعہ نشر واشاعت کی حد تک رہا اور ہندوپاک وغیرہ میں اب بھی یہی ہے یا اغلبی وعمومی طور پر یہی نظم چل رہا ہے۔

مگر اب یہ چیزیں نجی زمرے وشکلوں میں آنے لگیں تو سوال بھی پیدا ہونے لگا کہ غیر مسلم ممالک میں مسلمان خود اپنا کوئی ایسا نظم قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ سوال اس پس منظر میں پیدا ہوا کہ دوسرے مذاہب وتحریکات کے لوگ بھی اس سے بہت کام لے رہے ہیں۔

مغربی ممالک اور ترقی یافتہ ممالک میں اس کا استعمال بہت ہے اور ریڈیو سے آگے بڑھ کر ٹی وی کے پرائیوٹ چینل ونظم بہت ہوگئے ہیں جو مخرب اخلاق پروگرام کے علاوہ دین ومذہب کو خراب کرنے والے اور دین حق سے بدگمان وبرگشتہ کرنے والے پروگرام چلاتے رہتے ہیں۔اور ٹی وی کے اس قسم کے کیسٹ تیار کرکے عمومی طور پر ان کو پھیلاتے ہیں، اور وہاں کے عوام کو نہ صرف ان چیزوں سے بہت دلچسپی ہے بلکہ ان کے نزدیک ان چیزوں کی بڑی اہمیت ہے، اور یہی ذرائع ان کے نزدیک اب مقبولیت وسنجیدگی کا معیار ہیں، اور اب دین کے لئے فکرمند ودردمند افراد واداراے یہ سوچنے پر مجبور ہورہے ہیں کہ حدود کے اندر رہ کر ہم بھی اپنے مقصد وکاز کے لئے اس ذریعہ کو اپنائیں۔

انٹرنیٹ کا تذکرہ آچکا ہے، وہ ریڈیو اور ٹی وی دونوں کا کام کرتا ہے، اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس کے ذریعہ کسی بات کا عام کرنا اور پھیلانا بہت آسان ہے، اور بہت تیزی سے اس کا مزاج وچلن بڑھ رہا ہے۔نہ صرف مغربی ممالک وغیرہ میں بلکہ ہمارے یہاں بھی، اور چونکہ اس کا استعمال شخصی طور پر بھی بہت آسانی سے ہوجاتا ہے، کسی لمبے نظم ونظام کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے اس کا غلط استعمال کچھ زیادہ ہی ہورہا ہے، اسلام کے تعارف کے عنوان سے باطل فرقوں نے اپنے نام ومقاصد کا تعارف اس سسٹم میں ڈال رکھا ہے، اور بہت سی الٹی سیدھی باتیں اس کے ذریعہ پھیلاتے ہیں، اس نظم میں طرح طرح کے اخبارات ورسالے اور کتابیں بھی شامل کردی گئی ہیں، اور ریڈیو وٹی وی پر تو کچھ پابندی بھی لگ سکتی ہے اس پر کوئی پابندی ممکن نہیں ہے، اس لئے اس سے دلچسپی رکھنے والے بڑی گمراہیوں کا شکار ہورہے ہیں، یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے، اس لئے بہت سی مسلم تنظیمیں اور افراد اس بات کی طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ وہ انٹرنیٹ کے ذریعہ حق کا علم بلند کریں اور اس کے واسطے سے صحیح باتیں لوگوں تک پہونچائیں۔

انٹرنیٹ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سوال وجواب بھی ہوسکتا ہے، کسی پروگرام میں ایک مستفید ہونے والا ضرورت محسوس کرکے اپنا کوئی سوال انٹرنیٹ کے سپرد کردیتا ہے اور جواب کا طالب ہوتا ہے، اب خواہ جواب درست ملے یا غلط، اور اصل اور متعلقہ شخص سے ملے یا کسی اور دوسرے سے، اس لئے انٹرنیٹ کو ممتاز علمی اور تعلیمی ادارے اپنی تعلیمی اور تربیتی جدوجہد کی افادیت کو عام کرنے اور صحیح فکروعقیدہ کی اشاعت کے لئے بآسانی استعمال کرسکتے ہیں اور اس سے ملت وامت کو کافی مستفید کرسکتے ہیں۔

اس ابتلائی صورت میں خواہ ٹی وی اور وی سی آر کی شکل میں ہو یا انٹرنیٹ یا اس جیسی کسی دوسری شکل میں، سوال پیدا ہوتا ہے، اور ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور واقعتہً سوالات آرہے ہیں کہ کیا کیا جائے، آیا امت کو اپنے حال اور اپنے اختیار پر چھوڑ دیا جائے اور بس وعظ ونصیحت پر اکتفا کیا جائے، یا ان چیزوں سے دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اور ان کے واسطے سے آنے والی مضرت کو دیکھتے ہوئے، اس قسم کے اقدامات کو اختیار کیا جائے اور اس کی اجازت دی جائے۔

بیشک یہ چیزیں سلف کے عہد میں نہیں تھیں، اور ٹی وی ووی سی آر کی مضرت بہت بڑھی ہوئی ہے، مگر جو معاشرہ اس کے واسطے سے کچھ سننے سے دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے لئے وقت نکالتا ہے اور نکال سکتا ہے، اور جو نظم رائج وموجود ہے وہ انتہائی خطرناک گمراہ کن اور ہلاکت خیز ہے، دین ودنیا دونوں کے اعتبار سے، تو کیا اس معاشرہ کے دین وایمان کو بچانے کے لئے اور ان کو صحیح راہ پر لانے کے لئے اور دین حق کی طرف ان کو دعوت دینے کے لئے ان ذرائع کو استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ ماضی قریب کے علماء مصالح کی رعایت اور ارتداد جیسے عظیم فتنہ کو سامنے رکھتے ہوئے ارتداد کے دہانے پر کھڑے مسلمانوں کی اصلاح کی کوششوں کے ساتھ ان لوگوں کو جو تعزیہ داری کو ہی اسلام سمجھتے تھے یہ فرمایا کہ ''تعزیہ بناتے رہنا مگر ہندو مت ہونا''۔

اور مغربی ممالک میں نیز مسلم ممالک میں، اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے اس قسم کے نظم ونظام کی کافی افادیت محسوس کی جارہی

ہے، بلکہ اس کے مطالبے ہو رہے ہیں، اس لئے کہ ریڈیو ٹی وی وغیرہ سے سب کی دلچسپی گانے اور تماشوں وغیرہ کی وجہ سے ہی نہیں ہوتی بلکہ بہت سے سلیم الفطرت لوگ اپنی ذہنی الجھنوں کا حل اور روحانی علاج بھی چاہتے ہیں، ایسے لوگ ان ذرائع کے واسطے سے نشر کی جانے والی اسلامی تعلیمات سے اسلام کی سچائی تک پہونچ سکتے ہیں اور پہونچتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کمپیوٹر نیٹ ورک، ٹیلی ویژن، ویڈیو کیسٹ، اور انٹرنیٹ کا استعمال تدریس وتعلیم کے لئے بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اور اب تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ بچوں کو اسکول جانے کی ضرورت نہیں ہے ان وسائل کے ذریعہ پورے ہندوستان میں بیک وقت تعلیم دی جاسکتی ہے۔

اس تمہید کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالات جواب کے محتاج ہیں۔

سوالات:

۱۔ مسلمانوں کے لئے خود اپنے ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کا کیا حکم ہے؟ جس کا مقصد حق کی اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید اور اس سے بڑھ کر ان کی مساعی کی کاٹ اور روک تھام ہے۔

۲۔ مغربی ممالک اور ترقی یافتہ ممالک میں جہاں ٹی وی اور اس سے اشتغال واستفادہ عام ہے اور اس کو مختلف تحریکات وتنظیموں نے اپنے مقاصد ونظریات کی اشاعت کے لئے آلہ کار بنا رکھا ہے، وہاں مذکورہ بالا مقصد اور نظام کے تحت ٹی وی اسٹیشن قائم کرنا یا اس کا کوئی نظم بنانا، کیا اس کی اجازت ہوگی؟

۳۔ تعلیمی وتربیتی مقاصد کے تحت محض علمی وفنی معلومات اور اخلاقی وتربیتی تعلیمات پر مشتمل کیسٹ تیار کرنا، خواہ وہ ٹیپ ریکارڈ ہوں یا ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی، نیز سافٹ ویر وغیرہ۔ اس کا کیا حکم ہے جب کہ آج کی علمی دنیا میں ان کی اہمیت وافادیت بہت زیادہ محسوس کی جارہی ہے، اور ان کا استعمال بڑھتا جارہا ہے؟

۴۔ انٹرنیٹ ہو یا اس قسم کا کوئی دوسرا ترقی یافتہ نظم ہو، اس کو دینی تعلیمات کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنانے اور اس کے لئے فکر مندی ونظم کا کیا حکم ہوگا؟

☆☆☆

تجاویز:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بارہواں فقہی سمینار اتر پردیش کے مشہور ومعروف دینی ادارہ دارالعلوم الاسلامیہ بستی (یوپی) میں منعقد ہوا۔
اس سمینار میں مندرجہ ذیل تین اہم موضوعات زیر بحث آئے:

☆ اختلافات ائمہ
☆ طلاق سکران
☆ انٹرنیٹ کا استعمال

۱-اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے بارہویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۱ تا ۱۴ر فروری ۲۰۰۰ء بمقام دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے موضوعات میں ایک موضوع ''اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت'' تھا، اس موضوع پر ۳۷ مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے جن کی تلخیص شرکاء کے سامنے پیش کی گئی اور پھر بحث ومباحثہ کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ارکان کے نام یہ ہیں:

۱-جناب مولانا زبیر قاسمی صاحب
۲-جناب مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب
۳-جناب مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب
۴-جناب مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب
۵-جناب مولانا احمد دیولوی صاحب
۶-جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب
۷-جناب مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب
۸-جناب مولانا اختر امام عادل صاحب

شرکائے سمینار کے درمیان کمیٹی کے پیش کردہ تجاویز پر بحث ومباحثہ کے بعد باتفاق علماء جو فیصلے کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱- احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اجتہاد واستنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ وفقہاء کے اجتہادات واستنباطات اور ان کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

۲- ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق وباطل نہیں ہے؛ بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

۳- عامی جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد ومستند عالم دین سے مسئلہ شرعی

معلوم کر کے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

۴- ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا و آخرت میں سخت بدنصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

۵- اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم ومعارف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلا شبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افراد امت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال پر چلیں۔

۶- اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علماء وفقہاء جو اصحاب ورع وتقویٰ اور ارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو؛ البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

۷- ایسے مسائل جن میں مستند علماء وفقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج کے لئے اختیار کرے اور اس پر فتویٰ دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور اصحاب افتاء کے لئے اس رائے پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔

۲- طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق):

اس موضوع پر شرکاء سمینار کے درمیان ہونے والی بحثوں کی روشنی میں درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں، اس تجویز کے پانچ دفعات پر تمام شرکاء کا اتفاق رہا، اور چھٹے شق میں اختلاف رہا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے:

۱- اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہو گیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲- کسی شخص نے اگر کسی نشہ آور حرام چیز کا استعمال ایسی صورت میں بہ طور دوا کے کیا جب ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہو سکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہو گیا۔ حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳- کسی شخص کو شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا۔ جبر واکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہو گیا، اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

۴- جائز وحلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہو گیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ

ہوگی۔

۵- کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے؛ البتہ ہوش وحواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

۶- اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا، بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اس سلسلہ میں شرکاء سمینار دو رائے رکھتے ہیں:

الف- اکثر شرکاء سمینار اس طلاق کو واقع نہیں مانتے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

۱- مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
۲- مولانا سید نظام الدینؒ (امیر شریعت بہار واڑیسہ)
۳- مولانا یعقوب اسماعیل منشی
۴- قاضی عبدالجلیل (امارت شرعیہ)
۵- مولانا محمد عبیداللہ اسعدی
۶- مولانا عتیق احمد قاسمی (قاضی لکھنو)
۷- مولانا ابوالعاص وحیدی قاسمی
۸- مفتی جنید عالم ندوی (مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ)
۹- مولانا محمد سلمان حسینی ندوی
۱۰- مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی
۱۱- مولانا زبیر احمد قاسمی
۱۲- مفتی جمیل احمد نذیری
۱۳- مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ
۱۴- مولانا صباح الدین ملک قاسمی
۱۵- مفتی نسیم احمد قاسمیؒ
۱۶- مولانا خورشید احمد قاسمی
۱۷- مولانا شفیق احمد مظاہریؒ (بردوان)
۱۸- مولانا مبارک حسین ندوی (نیپال)
۱۹- مولانا خورشید انور اعظمی
۲۰- مولانا اعجاز احمد قاسمی
۲۱- مولانا قاری ظفر الاسلام
۲۲- مولانا راشد حسین ندوی
۲۳- مولانا ریاض احمد سلفی
۲۴- مولانا اسرار الحق سبیلی

ب- درج ذیل حضرات طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں:

۱- مولانا برہان الدین سنبھلی
۲- مفتی عبدالرحمٰنؒ (دہلی)
۳- مفتی محبوب علی وجیہی
۴- مفتی حبیب اللہ قاسمی
۵- مولانا ابوسفیان مفتاحی
۶- مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی
۷- مولانا ابوبکر قاسمی
۸- مولانا ابوجندل قاسمی
۹- مولانا اختر امام عادل قاسمی
۱۰- مولانا تنویر عالم قاسمی
۱۱- مولانا عبداللطیف پالنپوری
۱۲- مفتی سعید الرحمٰن صاحب ممبئی
۱۳- مولانا عبدالقیوم
۱۴- مولانا عبداللہ مظاہری بستی
۱۵- قاضی محمد کامل
۱۶- مولانا نذیر احمد کشمیری

۱۷-مولانا احمد دیولوی　　۱۸-مولانا جمال الدین قاسمی

۱۹-مولانا محمد حمزہ گورکھپوری　　۲۰-مولانا ابرار خاں ندوی

۳-انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال:

اس موضوع پر گفتگو اور بحث وتمحیص کے بعد باتفاق شرکاء سمینار درج ذیل فیصلے کیے گئے:

۱- اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی حفاظت وبقاکے لئے ہر ممکن جدوجہد وسعی امت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے۔

۲- ”وَأَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِنْ قُوَّةٍ“ کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے جدید وقدیم ہر ممکن جائز ذریعہ ووسیلہ کا استعمال کرنا درست ہے؛ بلکہ ضرورت وحالات کے مطابق مفید وموثر وسیلہ کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۳- ابلاغ وترسیل کے جدید ذرائع میں ریڈیو کا استعمال دینی مقاصد کے لئے کوئی قباحت نہیں رکھتا، خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہو، یا پروگرام میں عملاً شرکت کرکے ہو، یا یہ کہ خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کرکے۔

۴- بنیادی طور پر انٹرنیٹ آج کے زمانے کا سب سے اہم ذریعہ ابلاغ ہے، اس کی حیثیت اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ کی ہے، اور ذرائع کا حکم شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے، ذرائع ووسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لئے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لئے ناجائز ہے، پھر ان کا شرعی حکم اس طرح متعین ہوگا کہ ان مقاصد کا حصول فرض وواجب ہے یا مستحب ہے یا مباح ہے۔ اور ان وسائل کا استعمال مکمل طور پر ان مقاصد کے حصول کے لئے جس حد تک ضروری ہو اسی کے بقدر ان وسائل کا استعمال فرض یا مستحب یا جائز ہوگا۔

ان اصولوں کی روشنی میں شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرمات شرعیہ سے بچا جائے۔

۵- ٹیلی ویژن ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جس کے ذریعہ نہ صرف آواز بلکہ بولنے والوں کی صورتیں بھی سامعین وناظرین کے سامنے پیش ہوجاتی ہیں، کبھی نقل نشر مباشر (براہ راست) کے ذریعہ چلتی پھرتی صورتیں منتقل کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی مجلس، کسی عمل، کسی کھیل یا کسی تقریب کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور بعد میں اس کو نشر کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے مسئلہ میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ اس میں جو صورتیں ناظرین تک منتقل ہوتی ہیں آیا وہ اس تصویر کشی کا محل اور مورد ہیں جن کے ممنوع ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں آئی ہے یا نہیں؟ عام طور پر علماء ہند اس طرح کے عکس ریز کیمروں سے لی گئی تصویر کو بھی اس تصویر کشی کا حصہ مانتے ہیں۔ ممالک عربیہ کے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ فوٹو گرافی ممنوع تصویر سازی کا محل نہیں۔

ٹیلی ویژن کے ساتھ دوسری دشواری اس کے استعمال کی ہے، تفریحات (Entertainment)، تجارتی اشتہارات کے ذریعہ عورتوں کی عُریاں تصویروں کی اشاعت، بے حیائی وفحاشی کو عام کرنا، ایسی فحش فلموں کا نشر کیا جانا جس کو باپ بیٹا، ماں بیٹی ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے، پھر بچوں کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کرلینا کہ ان کی تعلیمی دلچسپی ختم ہوجائے۔ یہ وہ بُرائیاں ہیں جن کی وجہ سے ٹیلی ویژن موجودہ سماج کے لئے ایک بڑا ناسور بن گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ کچھ مفید کام لئے جاسکتے ہیں اور لئے جاتے ہیں؛ لیکن معاشرے کو پہونچنے والا

ضرر اس سے حاصل ہونے والے نفع سے کہیں زائد ہے"وإثمهما أكبر من نفعهما"۔

ان حالات میں شرکاء سمینار ٹیلی ویژن کے استعمال (اور اس کے ذریعہ ان منکرات وفواحش کی اشاعت) کو ناجائز (اور معاشرے کے لئے تباہی کا ذریعہ) قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔

٦- ایک اہم سوال ان چینلس کے حکم شرعی کا ہے جو خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کئے جارہے ہیں اور ہر طرح کی فحاشی، عُریانی سے پاک اور خالی ہیں، کیا ایسے چینلس (Channels) کا قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

تمام شرکاء سمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں؛ جبکہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱-مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحب	۲-مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب
۳-مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری صاحب	۴-مولانا محمد حمزہ گورکھپوری صاحب
۵-مولانا مفتی محمد زید صاحب	٦-مولانا زبیر احمد صاحب مظاہر علوم

مولانا برہان الدین سنبھلی اور مولانا ارشد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگر براہ راست نشر (Live) ہو تو جائز ہوگا، اور اگر محفوظ کیا ہوا پروگرام (Recorded Programme) نشر کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔

✧✧✧